© rasaileJaraid.com

نقطہ نظر

حافظ حسن مدنی

اجتماعی اجتہاد چند قابل ذکر پہلو

مقصد وضرورت

اُمتِ مسلمہ میں چند صدیاں ایسی گزری ہیں جب اجتہاد کا دروازہ بند کرکے پچھلے فقہاء ومجتہدین کی آرا پر ہی عمل کرلینا کافی سمجھا جاتا رہا، لیکن موجودہ دور میں ترقی وایجادات نے جس تیزی سے انسانی زندگی میں محیر العقول تبدیلیاں برپا کی ہیں، اس کے بعد وہی علما جو پہلے اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے کا موقف رکھتے تھے، اب اسے کھولنے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ کسی مخصوص فقہ کے پیروکاروں کی اصل مشکل یہ رہی ہے کہ اس فقہی مذہب کی نسبت جن عظیم المرتبت ائمہ فقہا سے ہے، آج ایسے عالم وفاضل اور بلند قامت مجتہدین سے زمانہ خالی نظر آتا ہے، اس لئے اُنہوں نے اجتہاد کو بند رکھنے میں ہی عافیت سمجھی۔ یہ امر درست ہے کہ اسلامی تاریخ جن ائمہ اسلاف کے کارہائے نمایاں سے ہمیں آگاہ کرتی ہے، ان کی شخصیات بڑی بھاری بھرکم رہیں اور ان سے ہماری جذباتی عقیدت بھی ہمارے دلوں میں اُنہیں ایک عظیم مقام عطا کردیتی ہے، لیکن اس عظمت کا یہ مطلب نکال لینا کہ اب اجتہاد کو ہی موقوف کردیا جائے، کوئی متوازن راہ نہیں ہے۔ فقہی مذاہب کے پیروکار بالعموم اجتہاد کے لئے ایسی طول طویل شرائط پیش کرتے ہیں جن کی مصداق شخصیت کا وجود بعد کے اَدوار میں مشکل نظر آتا ہے۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''میرے نزدیک دنیا بھر کے مسلمانوں کے متعلق یہ بہت ہی بری رائے ہے۔ غالباً ابھی تک ہمارے مخالفوں نے بھی ہمیں اتنا گرا ہوا نہیں سمجھا ہے کہ ایک اَرب سے زائد مسلمانوں میں ان صفات کے حامل اشخاص کی تعداد ۱۰،۱۲ سے زیادہ نہ ہو۔'' (تفہیمات:۱۹/۳)

البتہ وہ لوگ جو کتاب وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے فقہی آرا میں توسع کا پہلو اختیار کرتے رہے ہیں، ان کے ہاں یہ شرائط بھی اتنی بڑی نہیں ہیں۔ مختلف فقہی مکاتبِ فکر کے ہاں

© rasailojaraid.com

شرائطِ اجتہاد کڑی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسی شرائط کے ذریعے انہی صفات کے حامل علما کو اجتہاد کا اہل قرار دینا چاہتے ہیں جو ان کے ممدوح ائمہ فقہاؒ سے صفات میں قریب ترین ہوں۔ چونکہ اسلامی دنیا میں فقہی مکاتبِ فکر کے پیروکاروں کی ہی اکثریت ہے، اسی لئے بالعموم یہاں اجتہاد کا دروازہ بند رکھنے پر ہی زور دیا جاتا رہا ہے اور اُنہوں نے سابقہ فقہی آرا سے ہی کام چلانے کی کوششیں کی ہیں۔ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں مجتہدِ مطلق، مجتہدِ مذہب اور مجتہدِ فتویٰ کی کئی تفصیلات بھی ملتی ہیں حتیٰ کہ احناف کے ہاں مجتہدین کی یہ اقسام پانچ تک پہنچ جاتی ہیں۔

اب نئے زمانے کی تیز دوڑ کا ساتھ دینے کے لئے جب اجتہاد کا احیا کرنا ضروری ٹھہرتا ہے اور بہت سے ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن کے بارے میں فقہ اسلامی کے ذخیرے میں براہِ راست کوئی تفصیل موجود نہیں تو اس مشکل کا یہ حل تجویز کیا جاتا ہے کہ کسی ایک فرد میں ان بلند خصائص کو مجتمع دیکھنے کی بجائے اہل علم افراد کے ایک مجموعے میں اُنہیں مکمل کرلیا جائے۔ 'اجتماعی اجتہاد' کی اصطلاح متعارف کرانے کا ایک پس منظر یہ بھی ہے۔

اجتہاد کو 'فرد' سے 'اجتماع' کی طرف لے جانے کی یہ ایک اہم وجہ ہے جس کے پس پردہ اجتہاد کے بارے میں حددرجہ احتیاط کا تصور کارفرما ہے۔ اس کی دیگر ضروریات میں یہ بھی شامل کیا جاتا ہے کہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اس قدر وسیع نوعیت کا علمی کام ہوچکا ہے اور معلومات کے کئی نئے ایسے ابواب دریافت ہوچکے ہیں جن تمام پر ایک فرد کا عبور رکھنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اس لئے کئی افراد کے مجموعے سے مدد لے کر درست حقائق اور وسیع تر معلومات کی مدد سے اجتہاد کا عمل بروئے کار لایا جانا زیادہ بہتر ہوگا۔

بعض لوگ اس کی ضرورت یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ کسی ایک صاحبِ علم کی شرعی رائے کے بجائے یہی رائے اگر کئی اہل علم کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں حاصل ہو تو اسے اسلامی معاشرے میں قبولِ عام زیادہ حاصل ہونے کا امکان ہے۔ اس بنا پر اجتماعی اجتہاد کی صورت میں اُمتِ مسلمہ میں فکری انتشار یا جدید مسائل کے بارے میں رہنمائی کا خلا پیدا نہیں ہوسکے گا اور مسلمان زیادہ یکسوئی سے کسی مسئلہ کے شرعی حل پر عمل درآمد کرسکیں گے۔

'اجتماعی' اجتہاد کا مصداق

جہاں تک اجتماعی اجتہاد کے طریقہ کار کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ابھی کافی بحث مباحثہ کی

ضرورت ہے۔ اجتماعی اجتہاد کے بارے قابل غور امور میں سے یہ بھی ہے کہ کن صورتوں کو اجتماعی قرار دیا جائے اور کن کو انفرادی کاوش سمجھا جائے۔ اجتماعی اجتہاد کے بارے میں پیش کی جانے والی مختلف آرا سے یہ تعین تو ضرور جاتا ہے کہ اس میں ایک سے زیادہ افراد شرکت کرتے ہیں لیکن یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ سب عمل اجتہاد میں شریک ہوتے ہیں یا ان کا کردار صرف مشاورت یا معاونت تک محدود رہتا ہے۔

اجتماعی اجتہاد کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک سے زیادہ مجتہدین کسی مسئلہ کے بارے میں تبادلہ خیال کر کے اپنا اپنا شرعی موقف پیش کریں۔ دیگر صورتوں کو اجتماعی اجتہاد کہنا درست نہیں کیونکہ جہاں تک مشاورت و معاونت کا تعلق ہے تو اس نوعیت کا کام ہمیشہ سے مجتہدین کرتے آئے ہیں کہ پیش آمدہ مسئلہ پر دوسروں سے تبادلہ خیال کر لیا لیکن ان متعدد دلائل وآرا سے استفادہ ان کا انفرادی فعل ہوتا ہے اور وہ عمل اجتہاد میں منفرد ہوتے ہیں۔ یہ کام تو ماضی میں بھی ہوتا رہا لیکن اس پر کبھی اجتماعی اجتہاد کی اصطلاح نہیں بولی گئی۔ ایسے علمی تبادلہ خیال کی مثالیں خلفاے راشدین کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن اس کے بعد شرعی رائے ان کی اپنی ہوتی جو اُنہی سے منسوب ہوا کرتی۔

آج کل ہمارے عدالتی نظام میں جج حضرات کا فیصلہ بھی اسی نوعیت کا ہوتا ہے، زیر سماعت اہم مقدمات میں فریقین کے وکلا کی بحثوں کے علاوہ دیگر ماہرین قانون سے بھی رہنمائی لی جاتی ہے لیکن اس مقدمہ کا فیصلہ بہرحال اکیلا جج ہی کرتا ہے اور یہ اُسی سے ہی منسوب ہوتا ہے، اسے کوئی اجتماعی فیصلہ قرار نہیں دیتا۔ البتہ جن صورتوں میں فیصلہ کرنے والے ججوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہوتو وہاں یہ فیصلہ 'بنچ کا فیصلہ' کہلاتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف معاونین، شاگردوں اور اہل علم کی آرا سے اخذ واستفادہ کر کے کوئی ایک مجتہد اپنا فیصلہ کرے تو اسے اجتماعی اجتہاد قرار نہیں دیا جانا چاہئے۔

☜ علاوہ ازیں بعض طبی مسائل میں ڈاکٹر حضرات یا غیر مسلم ماہرین سے معلومات حاصل کرنے کو بھی اجتماعی اجتہاد باور کیا جاتا ہے جبکہ ظاہر ہے کہ مجتہدانہ اوصاف مکمل نہ ہونے کی بنا پر اُصولی طور پر ہی انہیں اجتہادی رائے دینے کا اختیار ہی نہیں ہوتا۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اہل علم کی شرعی آرا کا تحفظ

اجتماعی اجتہاد کا مصداق متعین ہوجانے کے بعد یہاں ایک اور اہم سوال اُبھرتا ہے کہ ایک سے زیادہ مجتہدین کی ایک موضوع پر از خود متفقہ شرعی رائے اپنانے کی تائید اسلامی فقہی ذخیرے سے نہیں ہوتی۔ اسلام میں وہ وسعت اور جامعیت موجود ہے جس میں مختلف ذوق کے اہل علم پیش آمدہ مسئلہ کی اپنے انداز میں تحقیق وتطبیق کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ صحابہؓ میں بھی شرعی آرا میں اختلاف ہوتا رہا اور ائمہ اربعہؒ میں بھی اختلافی مسائل اتفاقی اُمور کی بہ نسبت کہیں زیادہ رہے ہیں۔ جب ایک سے زیادہ مجتہد ایک غیر منصوص مسئلہ میں غور وفکر کرکے شرعی رائے کی نشاندہی کی کوشش کریں گے تو ان میں اختلافِ رائے کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے!!

اجتماعی اجتہاد کا یہ اہم سوال ہے کہ ان کو متفق کرنے یا قریب قریب ملتی جلتی رائے پر لانے کے لئے کوئی طریقہ کار یا اُصول وضع کیا جاسکتا ہے نیز اس اُصول کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اس نکتہ کی وضاحت کے لئے اجتماعی اجتہاد کی کوششوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔ اجتماعی اجتہاد کی بعض کوششیں ایسی ہیں جن کا مقصد پیش آمدہ مسئلہ پر اہل علم کو مشترکہ غور وخوض کی دعوت دینا ہے۔ ایسے اداروں میں پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل، جدہ کی مَجْمَع الفِقه الاسلامي اور انڈیا کی اسلامک فقہ اکیڈمی وغیرہ کی مثال دی جاسکتی ہے۔

اسلام آباد میں اس موضوع پر ہونے والے سیمینار کے دوران اس نوعیت کے اداروں کی مشترکہ کاوشوں کے جائزہ کے دوران یہ امر سامنے آیا کہ ان کے ہاں اہل علم کے لئے فکری آزادی کی گنجائش موجود ہے اور اس کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام ۱۹۶۱ء سے قائم المَجْمَع الفقهي الاسلامي کا تعارف کراتے ہوئے جناب الطاف حسین لنگڑیال نے اس امر کی نشاندہی کی کہ اس کے بنیادی ضوابط میں اس امر کا تعین کیا جاچکا ہے کہ اس میں شرکت کرنے والے اہل علم کو اپنی شرعی رائے پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہوگی، ایسے ہی ان کے ۲۳ فیصلوں میں اختلافی آرا کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

یہی بات انڈیا کی اسلامک فقہ اکیڈمی کے جنرل سیکرٹری جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے سیمینار میں پیش کردہ اپنے مقالہ میں اکیڈمی کے طریق کار کی وضاحت میں تحریر کی ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

''کمیٹی کی مرتب کردہ تجاویز لوگوں پر مسلط نہیں کی جاتیں۔ جس تجویز پر اتفاق ہو، اسے متفقہ حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ جس میں شرکا کی غالب اکثریت کی ایک رائے ہو اور ایک دو اشخاص کو اختلاف ہو، ان میں پہلی رائے کا بحیثیت ِتجویز ذکر کرتے ہوئے اختلاف رکھنے والے حضرات کے نام، اور نقطہ نظر کے حاملین کی مناسب تعداد ہو تو تجویز میں اختلافِ رائے کا ذکر کرتے ہوئے دونوں نقاطِ نظر کو مساویانہ حیثیت میں بیان کیا جاتا ہے اور ہر رائے کے قائلین میں معروف، نمایاں اور اہم شخصیتوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اور جس طرح تجاویز سیمینار میں پیش کی جاتی ہیں، بعینہٖ اسی طرح طبع کرلیا جاتا☆ ہے۔'' (مقالاتِ سیمینار: ص۱۹۴)

جس طرح جوابات کی تیاری کے وقت فکری جبر کو یہاں گوارا نہیں کیا جاتا، ایسے ہی اس نوعیت کے اداروں کے کام کی نوعیت بھی سفارشات تک ہی محدود رہتی ہے اور بعد میں عوام الناس کو بھی ان آرا کا پابند نہیں بنایا جاتا۔ اجتماعی اجتہاد کے اس نوعیت کے اداروں کا کام لائق تحسین ہے اور اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

☜ دوسری طرف اجتماعی اجتہاد کے تحت ایسے بھی متعدد اداروں کو شامل کیا جاتا ہے جن کا مقصد ممکنہ مسائل کے پیش نظر کتاب وسنت سے بعض احکامات کو قانونی الفاظ کا جامہ پہنانا ہوتا ہے۔ ایسی قانون ساز مجالس کا مقصد چونکہ چند متعین نکات پر پہنچنا ہوتا ہے، اگر اس میں متعدد نقطہ ہائے نظر کو راہ دی جائے تو قانون سازی کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے چنانچہ یہاں اجتماعی اجتہاد کے دوران بھی ایک مخصوص نتیجہ تک پہنچنے کے لئے فکری جبر اختیار کرنا، کچھ لینا اور کچھ دینا سے گزرنا پڑتا ہے۔ مفاہمت اور انتظامی دباؤ یا کسی ضابطے کے زیر اثر ہونے والی یہ قانون سازی اس میں شریک اہل علم کی فکری آزادی کے حق کو متاثر کرتی ہے۔ اس لئے ایسی قانون ساز مجالس کا دورانِ اجتہاد یہ جبر اسلامی شریعت کی رو سے پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا۔

☆ تاہم اوّل تو ایسی اجتماعی کاوشوں میں مختلف مکاتبِ فکر کو مناسب نمائندگی نہیں دی جاتی، ثانیاً ان فقہی مقالات اور فیصلہ جات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ ان میں فقہی توسع اور نصوصِ شریعت کی بالادستی کا کماحقہ اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ فقہ حنفی کا رجحان غالب نظر آتا ہے جیسا کہ ولایت ِنکاح کے مسئلے میں فقہ حنفی کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے، حالانکہ متعدد نصوص سے اس کی حمایت نہیں ہوتی اور موجودہ حالات میں اس سے مرد وزَن کے بے باکانہ معاشقوں کی بھی حوصلہ افزائی ہورہی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں اس سے یہ علت بھی لاحق ہوتی ہے کہ جبر سے پروردہ ان کی یہ سفارشات عوام الناس کے لئے بھی حکومتی دباؤ کے بل بوتے پر نافذ ہوتی ہیں۔ اس سے بھی عوام ایک مخصوص فکری رائے پر عمل کرنے کے اُصولی پابند ہوکر شریعت کی وسعتوں سے مستفید ہونے کے حق سے محروم ہوجاتے ہیں۔ یاد رہے کہ عامۃ المسلمین تو کتاب وسنت کی ہی اُصولی اتباع کے پابند ہیں، ایسے ہی کسی مجتہد کے لئے فقہی رائے کی پابندی کا بھی اسلامی شریعت میں تصور نہیں پایا جاتا جبکہ اس قانون سازی کا سب سے پہلے قاضی صاحبان کو بھی مجتہد ہونے کے باوجود پابند کیا جاتا ہے۔

جہاں تک کسی شرعی رائے کی پابندی کی بات ہے تو مسئلہ پیش آنے پر جب قاضی سے رجوع کیا جاتا ہے یا مفتی سے جواب طلب کیا جاتا ہے تب اوّل الذکر صورت میں نزاع کے فریقین کو اور ثانی الذکر صورت میں بعض اہل علم کے ہاں عام مسلمان کو مفتی کی اُس رائے کی پابندی کرنا پڑتی ہے جس پر قرآن وحدیث سے دلیل موجود ہو۔

اسلامی ریاست اپنے ماتحتوں کو کسی نظریہ کو ذہنی طور پر ماننے کی پابند نہیں کرسکتی جیسا کہ اسلامی تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ امام مالکؒ نے طلاقِ مکرہ اور امام احمد بن حنبلؒ نے قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ شدید حکومتی جبر کے باوجود قبول نہ کیا۔ ایسے ہی خلفاء راشدینؓ کے دور میں ابو ذرّ غفاریؓ کے تصورِ ارتکازِ دولت اور حذیفہؓ بن یمان کے کتابیہ سے نکاح پر برقرار رہنے کے واقعات بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

اسلام اور قانون سازی

اسلام میں اصلاً تو شریعت کی قانون سازی کا تصور نہیں پایا جاتا، استعمار کے آنے سے قبل اسلامی ممالک میں تیرہ صدیوں تک قانون سازی کی ایسی کوئی بھی اجتماعی کوشش دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس سلسلے کی اوّلین کوشش ۱۸۷۶ء میں سلطنتِ عثمانیہ کا مجلۃ الأحکام العدلیۃ ہے جس کے بعد مختلف اسلامی ممالک میں ایسی قانون سازیوں کی ایک لمبی تفصیل شروع ہوجاتی ہے۔ اِنہی میں پاکستان میں عائلی قوانین ۱۹۶۲ء، حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء اور قانونِ قصاص ودیت ۱۹۹۱ء وغیرہ آتے ہیں۔

ایسی قانون سازی سے اسلامی شریعت اپنے دائمی وعالمگیر وصف اور انطباق کی وسعت کے جوہر سے محروم ہوجاتی ہے اور اس سے اسلام کے نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ دنیا بھر میں سرزمین حجاز استعماری غلبہ سے محفوظ واحد اسلامی خطہ رہا ہے۔ اس ملک میں آج تک کسی قانون سازی کے بغیر شریعت اپنی اصل صورت (قرآن وحدیث☆) میں نافذ ہے، اور اسی کے ذریعے ہی وہ دنیا کا تیز اور بہترین عدالتی نظام کامیابی سے چلا رہے ہیں اور وہاں حدود وجرائم کی کوئی دفعہ وار قانون سازی نافذ بھی نہیں ہے۔ دوسری طرف پاکستان قانون سازی کے جھمیلوں کی وجہ سے حدود آرڈیننس پر پچیس برس گزر جانے کے باوجود عملی طور پر ایک حد کو بھی نافذ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا اور آئے روز سیکولر طبقہ کو قانون سازی کی غلطیوں کے نام پر اصلاح کا بہانہ بھی ملتا رہتا ہے۔ ایسے ہی مصر، اُردن، شام، ترکی، تیونس وغیرہ میں اسلامی قانون سازی کے بعد اسلام کے نفاذ میں قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اسلام نے شریعت کی تشریح اور اس کی تطبیق وتعبیر کا حق مسلم علما کو دیا ہے، جدید سیکولر ریاست یہ حق کسی مذہبی شخصیت کو دینے کے بجائے قانونی ماہرین کے سپرد کرنا چاہتی ہے۔ اس بنا پر جدید اسلامی ممالک میں بھی عدلیہ کے نام پر مسلم علما کرام کے منصب پر غیر مسلموں کے عدالتی نظاموں کے ماہر جج حضرات اور وکلا کی ایک فوج ظفر موج مسلط ہے۔ اسلام میں

☆ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید کو دستور کی حیثیت دینے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس میں تو ایک دستور کے تقاضے ہی پورے نہیں ہوتے، پھر بعض مسلم دانشور یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم دستور سے بھی بلند تر کتاب ہے لیکن دستور نہیں ہے۔ یہ دعویٰ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ کہا جائے کہ قرآن کریم معروف معنوں میں کتاب ہونے کے تقاضے پورے نہیں کرتا، کیونکہ کتاب میں تو ابواب بندی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم ایک روایت ساز کتاب ہے جو انسانی ضوابط کی پابند نہیں ہوسکتی، ایسے ہی اسلام کا اپنا سیاسی ڈھانچہ ہے۔ یہ تصور جدید ریاست کا ہے جس میں ملک پر ایک دستور حکومت کرتا ہے، لیکن دورِ نبویؐ، دورِ خلافتِ راشدہ اور تیرہ صدیوں کی اسلامی تاریخ میں ایسا کوئی دستور نظر نہیں آتا جو اسلامی ریاست پر حاکم ہو۔ اسلام جدید تصورِ دستور کا پابند نہیں کہ پہلے اسے تسلیم کیا جائے پھر اس کے مطابق دستور کی کوئی کتاب تیار کی جائے۔ اس کے بغیر کتاب وسنت کی صورت میں ہی اللہ کی شریعت اسلامی حکومت اور عوام کیلئے ہدایات کا مرکز ومحور ہے۔ انسانوں کے بنائے تصورات پر اللہ کی دی ہوئی شریعت کو پورا اُتارنا ہی حماقت ہے!!

قرآن وحدیث مسلمان کی زندگی کا دستورِ حیات ہے جس میں دین ودنیا ہر دو کے بارے میں ہدایات موجود ہیں

www.KitaboSunnat.com

© rasailojarald.com

قاضی کیلئے اجتہادی صلاحیت ضروری ہے، لیکن جدید جج حضرات قرآن وسنت کی مہارت حاصل نہ ہونے کے باوجود دفعہ وار قانون سازی کے بل بوتے پر اسلامی شریعت کی تطبیق کا حق اپنے ہاتھوں میں لے کر عوام کو شریعت کی وسعتوں سے محروم کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

قانون سازی ایک مستقل موضوع ہے، جس پر عالم اسلام خصوصاً عالم عرب میں نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ ہماری نظر میں استعماری دور میں اسلامی ذہنوں میں جڑ پکڑنے والا یہ مغرب سے درآمدہ تصور ہے۔ شریعت کا نفاذ کتاب وسنت کے ذریعے ہی بہتر ہوسکتا ہے اور اللہ نے بھی قاضیوں کو کئی آیات میں ما أنزل الله سے فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُوْلٰـئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ:۴۴)

''اور جو قاضی ما أنزل الله کے ساتھ فیصلہ نہ کرے، وہ کافر ہے۔''

﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَائَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَيْكَ ﴾ (المائدۃ:۴۹)

''اے نبی! ان کے مابین ما أنزل الله کے ساتھ ہی فیصلہ فرمائیے، انکی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور بچیں اس بات سے کہ یہ ما أنزل الله کے بارے میں آپ کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔''

ما أنزل الله صرف کتاب وسنت ہی ہے، انسانوں کے بہترین فہم کی بنا پر حاصل ہونے والی فقہ بھی ما أنزل الله کا کلی مصداق نہیں کیونکہ اجتہاد میں تو خطا وصواب کا احتمال ہوتا ہے۔ اور ما أنزل الله سے براہِ راست استفادہ قرآن وحدیث کا ماہر ہی کرسکتا ہے۔

زیر نظر موضوع سے قانون سازی کا تعلق اتنا ہی ہے کہ اجتماعی اجتہاد کی وہ صورتیں جن کا مقصد قانون سازی کرنا ہے، وہ آغاز میں طریقہ کار کے جبر اور بعد میں نفاذ کے جبر کی بنا پر اسلامی شریعت میں مستحسن نہیں کہی جاسکتیں۔ اس لئے 'اجتماعی اجتہاد' کے تحت اگر ان نوعیت کی قانون ساز اداروں کو بھی ذکر کیا جائے تو اس فکری جبر کا مداوا ہونا اور ایک متوازن موقف کا تذکرہ اور اس کی حدود پر بحث مباحثہ انتہائی ضروری ہے۔ ☆☆

اطلاع : ادارۃ الاصلاح بھائی پھیرو کی **الاصلاح ڈائری** درمیانہ سائز میں شائع ہوچکی ہے جس میں روزانہ نمازوں کے مکمل اوقات کے علاوہ سال بھر کے پروگراموں کا مکمل ٹائم ٹیبل بھی شائع کیا گیا ہے۔ معیاری طباعت اور مسنون ادعیہ واذکار والی یہ ڈائری اس پتہ سے 70 روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے:
پروفیسر مزمل احسن شیخ: ۱۴۰ اصلاح الدین سٹریٹ، اسلامیہ پارک، سمن آباد لاہور ✆7571104

www.KitaboSunnat.com